پانی میں خواب

نصیر احمد ناصر

Mir Zaheer abass Rustmani
03072128068

پانی میں گم خواب

— نظمیں —

نصیر احمد ناصر

سانجھ پبلی کیشنز، لاہور

پانی میں گم خواب ــــ شاعری ــــ نصیر احمد ناصر

سانجھ پبلیکیشنز نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور' سے چھپوا کر'
46/2 مزنگ روڈ' لاہور' پاکستان' سے شائع کی۔

نام کتاب	:	پانی میں گم خواب
شاعر	:	نصیر احمد ناصر
اشاعتِ اوّل	:	جنوری ۲۰۰۲ء
اشاعتِ دوم	:	جنوری ۲۰۱۳ء
سرورق	:	سعید ابراہیم
قیمت	:	۳۰۰ روپے

Pani Mein Gum Khawab
(Urdu Poems by Naseer Ahmed Nasir)

Copyright © 2013 - 2nd Edition

Except in Pakistan this book is sold subject to the condition that it shall not, by way of trade or otherwise, be lent, resold, hired out or circulated without the consent of the author or the publisher in any form of binding or cover other than that in which it is published.

Printed by:
Shirket Printing Press, Lahore.

Price:
In Pakistan: Rs. 300.00

Published by:

سانجھ
SANJH
PUBLICATIONS

Book Street, 46/2 Mozang Road, Lahore, Pakistan.
Phone: +92 42 37355323. Fax: +92 04 37323950
e-mail: sanjhpk@yahoo.com, sanjhpks@gmail.com
Web: www.sanjhpublications.com

ISBN: 978-969-593-084-7

والدہ کے نام

When I was born
My mother wiped all her tears
With the cotton wool of my cheeks
Tears ….. whose wet salinity
Has soaked all mornings and evenings
Of my future life

میرے بچے پوچھتے ہیں
پاپا! جب تم چھوٹے تھے
ریل کی پٹڑی پر چلنا کیسا لگتا تھا؟
تتلیوں اور پرندوں سے
باتیں کرنا اچھا لگتا تھا؟
میرے آنسو اندر کی جانب گرتے ہیں
اور میری خاموشی ان کو
بادلوں اور پہاڑوں جیسی لگتی ہے!

ترتیب

خدا ایک آنسو مِرا بارشوں میں بہا دے!

خدا، میرے لفظوں کو جگنو بنا دے
خدا، میری باتوں کو تتلی بنا دے
خدا، میرے قدموں کو رستہ بنا دے
خدا، مجھ کو پھولوں کی خوشبو بنا کر ہوا میں اُڑا دے
خدا، موتیے کی طرح مسکرا دے
خدا، میری آنکھوں کو نظمیں بنا دے
خدا، میری نظمیں کہیں دُور دیسوں کو جاتے
پرندوں کی ڈاریں بنا دے!

خدا، ماں کے آنسو بڑے قیمتی ہیں
انھیں دُکھ کے لاکر میں محفوظ کر دے

خدا' کارنس پر رکھی میری تصویر مرنے لگی ہے
اسے میرے بچوں کے دل میں سجا دے
خدا' ایک لڑکی کسی دل میں بسنے لگی ہے
خدا' اس کے دل میں بھی کوئی بسا دے
خدا' عورتوں کے بدن ریت کے ڈھیر ہونے لگے ہیں
خدا' اُن کے سینوں پہ گندم کی فصلیں اُگا دے!

خدا' ایک آنسو کہیں بچپنے کی ازل سے
کسی دکھ کے ڈَل سے' گزر کر
مری دونوں آنکھوں میں ٹھہرا ہوا ہے
خدا' بارشوں میں اسے اب بہا دے
خدا' ایک آنسو مرا بارشوں میں بہا دے
خدا' خود بھی رو دے' مجھے بھی رُلا دے......!!

نظمیں

(۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۹ء)

منظر کو بدلنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

پرندے اُڑ رہے تھے دھوپ میں،
اب کھو گئے ہیں بے کرانی کے انوکھے جال میں
دُور آسمانی تال میں
بادل پہاڑی کے لبوں کو چُومتا ہے
سرخوشی میں جھومتا ہے
وادی وادی گھومتا ہے
اور اچانک پھر پھسل جاتا ہے اندھی گھاٹیوں میں،
بھیگ جاتا ہے
کہیں اشکوں کی بارش میں
کسی کا خوبصورت ریشمی رُو پاک سا چہرا

کھلی کھڑکی سے میرے خواب گرتے ہیں
سڑک پر کھیلتے بچوں کے ہاتھوں میں،
غباروں میں ہوا بھرتے ہوئے بوڑھے کی سانسوں میں،
کھلونے بیچتی خانہ بدوش عورت کی آنکھوں میں
ہوا جن کو اُڑا دیتی ہے لمحوں میں
کہ منظر کو بدلنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
نظر بھر دیکھ لینے میں زمانوں کا خسارہ ہے
سلوموشن میں عمریں بیت جاتی ہیں!!

تم نے اُسے کہاں دیکھا ہے!

کبھی تم نے دیکھا ہے
خوابوں سے آگے کا منظر
جہاں چاند تاروں سے روٹھی ہوئی
رات اپنے برہنہ بدن پر
سیہ راکھ مَل کر
الاؤ کے چاروں طرف ناچتی ہے!

کبھی تم نے جھانکا ہے
پلکوں کے پیچھے
تھکی نیلی آنکھوں کے اندر

جہاں آسمانوں کی ساری اُداسی
خلا در خلا تیرتی ہے!

کبھی تم نے اِک دن گزارا ہے
رستوں کے دونوں طرف ایستادہ
گھنے سبز پیڑوں کے نیچے
جہاں دھوپ اپنے لیے
راستہ ڈھونڈتی ہے!

کبھی تم نے پوچھا ہے
چلتے ہوئے راستے میں
کسی اجنبی سے
پتا اُس کے گھر کا
ہوا جس کے قدموں کے مٹتے نشاں چومتی ہے
نگر در نگر گھومتی ہے!!

نظم کے لیے نظم

پوچھتی ہے
نظم کیا ہے؟

نظم اُس کی خوبصورت ناک ہے
تربوز کی قاشوں سے دونوں ہونٹ اُس کے نظم ہیں
آنکھوں میں پھیلا صاف ستھرا آسماں بھی نظم ہے
گہرے سلیٹی بادلوں جیسے گھنیرے بال اُس کے
اور پیشانی اُفق سی نظم ہے

نظم بچوں کی شرارت،
نظم بوڑھی عورتوں کی گفتگو ہے

نظم اچھے دوستوں کے ساتھ گزری شام ہے
نظم ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھی مسافر لڑکیوں کے ہاتھ کا سامان ہے

پارکوں میں سیر کرتے، کھیلتے، پکنک مناتے
لوگ سارے نظم کے کردار ہیں
نظم سینی ٹوریم کی سیڑھیوں پر
زندگی کی دھوپ ہے
نظم عریاں پوسٹر ہے
نظم جپسی گرل ہے

نظم ونڈر لینڈ ہے
نظم نیلی جھیل ہے،
آبی پرندے کی چٹانوں سے پھسلتی چیخ ہے
نظم واٹر فال ہے
نظم چاروں موسموں کی سمفنی ہے
نظم اُجلی بارشوں کا گیت ہے
نظم گُبڑی رین بو ہے

بوسنیا کے سارے بچے نظم کے الفاظ ہیں
اجتماعی آبروریزی سے پہلے عورتیں بھی نظم کی تمہید تھیں،

اب مکمل نظم ہیں

ٹارچر چیمبر میں قیدی کی گھٹی سی چیخ بھی تو نظم ہے
کشمیر کی برفاب وادی میں لہو کی آگ بھی
اب نظم بنتی جا رہی ہے
بھوک سے مرتا ہوا صومالیہ بھی نظم ہے
پیس کیپنگ سولجر کی لاش کا تابوت زندہ نظم ہے

پوچھتی ہے
نظم کیا ہے؟
کیا بتاؤں میں کہ اُس کی
نظم لکھتی انگلیاں بھی نظم ہیں
نظم اُس کے ہاتھ کی تحریر ہے
نظم اُس کی خوبرو تصویر ہے
نظم اُس کے براؤن سینڈل
نظم اُس کے پاؤں کی تقدیر ہے
جانتی ہے!
کاسنی کپڑوں میں بالکل نظم لگتی ہے مجھے وہ
پھر بھی مجھ سے پوچھتی ہے
نظم کیا ہے؟

میں خوابوں کے اشجار بناؤں گا

دیکھ مسافر،
مرنے سے پہلے
اپنے خواب
ہوا اور پانی کے پاس
امانت رکھ دینا!
میں خوابوں کے اشجار بناؤں گا
تیرے بدن کی مٹی سے
پھول اُگانے آؤں گا!!

خواب اور نیند کے درمیان صدائے مرگ

سیہ رات چونکی
اندھیرے کی چادر پھٹی
چاند نکلا
ہوا سرسرائی
کہیں دُور......
بارُود پھٹنے کی آواز آئی!

فاتح دُشمن کے سامنے نغمۂ جاں گزا

یہاں کچھ پھول میرے ہیں
انھیں اشجار پر لکھ دو!
یہاں کچھ خواب میرے ہیں
انھیں دیوار پر لکھ دو!
یہاں کچھ گیت میرے ہیں
انھیں تلوار پر لکھ دو!
یہاں کچھ لوگ میرے ہیں
انھیں بھی دار پر لکھ دو!

پانی میں گُم خواب

خواب اور خواہش میں
فاصلہ نہیں ہوتا
عکس اور پانی کے
درمیان آنکھوں میں
آئنہ نہیں ہوتا
سوچ کی لکیروں سے
شکل کیا بناؤ گے
درد کی مثلث میں
زاویہ نہیں ہوتا
بے شمار نسلوں کے

خواب ایک سے لیکن
نیند اور جگراتا
ایک سا نہیں ہوتا

جوہری نظاموں میں
نام بھول جاتے ہیں
کوڈ یاد رہتے ہیں
ایٹمی دھماکوں سے
تابکار نسلوں کے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
شہر ڈوب جاتے ہیں
مرکزے بکھرتے ہیں
دائرے سمٹتے ہیں
رقص کے تماشے میں
ارض و شمس ہوتے ہیں
اور خدا نہیں ہوتا

صد ہزار سالوں میں
ایک نُور لمحے کا
ٹوٹ کر بکھر جانا

حادثہ تو ہوتا ہے
واقعہ نہیں ہوتا
ہسٹری تسلسل ہے
ایک بار ٹوٹے تو
دُور بیں نگاہیں بھی
تھک کے ہار جاتی ہیں
گمشدہ زمینوں سے
منقطع زمانوں سے
رابطہ نہیں ہوتا

ننھے مُنے بچوں کے
نو بہار ہاتھوں میں
پھول کون دیکھے گا
آنے والی صدیوں میں
تیری میری آنکھوں کے
خواب کون دیکھے گا
زیرِ آب چیزوں کا
کچھ پتا نہیں ہوتا!

گلاس ہاؤس

یہاں رات آتی ہے لیکن
کوئی خواب لاتی نہیں ہے
یہاں دھوپ چڑھتی ہے لیکن
کسی کو جگاتی نہیں ہے
یہاں پھول کھلتے ہیں لیکن
ہوا گیت گاتی نہیں ہے!

ایک پرندہ نظم

پرندے آ!
مِرے ہونٹوں کی شاخوں پر
مِرے الفاظ پیلے ہو چکے ہیں
آ، انھیں شاداب ہونے کی بشارت دے!!

پرندے آ!
مِری آنکھوں کے پنجروں میں
مِرے سب خواب نیلے ہو چکے ہیں
آ، انھیں اب دفن کرنے کی اجازت دے!!

پرندے آ!

مرے آنگن کے گملوں میں

مسلسل بارشوں سے پھول گیلے ہو چکے ہیں

آ، انھیں اپنے پروں کی نرم نرمیلی تمازت دے!!

پرندے آ!

مرے بچوں کی بانہوں میں

اُدھوری خواہشوں کے جال میں اُلجھے

یہ ننھے ذائقے کڑوے کسیلے ہو چکے ہیں

آ، انھیں حیرت بھری معصوم سی کوئی شرارت دے!!

پرندے آ!

مری نظموں کے لفظوں میں

یہ کچے پھل رسیلے ہو چکے ہیں

آ، انھیں اب ٹوٹ گرنے کی سعادت دے!!

بہت دُور ایک گاؤں

بہت دُور گاؤں ہے میرا
جہاں میرے بچپن کے جگنو
ابھی تک گھنے پیپلوں پر چمکتے ہیں
میری زباں سے گرے توتلے لفظ اب بھی
کئی سال سے غیر آباد گھر کی
پرانی، جھکی، آخری سانس لیتی ہوئی
سیڑھیوں پر پڑے ہیں
کہ جیسے خموشی کے سینے میں خنجر گڑے ہیں

بہت دُور گاؤں ہے میرا
جہاں شام ہوتے ہی تاریکیاں پھیل جاتی ہیں

آٹے کی چکی کی تک تک

پرندوں کی ڈاریں
کہیں دُور جاتی ہوئی
گھنٹیوں کی صدائیں
سبھی ایک خاموش لَے میں بدل کر
سیہ رات کی جھیل میں ڈوبتی ہیں

بہت دُور گاؤں ہے میرا
جہاں لالٹینوں کی مدّھم لرزتی ہوئی روشنی میں
سبق یاد کرتے ہوئے
میں نے اچھے دنوں کے کئی خواب دیکھے!

بہت دُور گاؤں ہے میرا
جہاں میری پہلی محبت کی پرچھائیاں ہیں
اُداسی میں ڈوبے ہوئے راستے'
کھیت' اسکول' جوہڑ'
درختوں کے جھرمٹ'
پُراسرار تنہائیاں ہیں

بہت دُور گاؤں ہے میرا

جہاں چاندراتوں میں خاموش گلیوں سے،

بوڑھے درختوں کی شاخوں سے،

سوئے ہوئے آنگنوں سے گزر کر

ہوا اب بھی آتی ہے

چپکے سے مجھ کو بلاتی ہے

لیکن نہ پا کر مجھے لَوٹ جاتی ہے

عادت ہوا کی ابھی تک وہی ہے

کہ فطرت ہوا کی ابھی تک وہی ہے

مگر زندگی نے مجھے روند ڈالا ہے

شہروں کی بے راستہ بھیڑ میں......!

نیند ساحل پر جاگتی سمندر عورت

اس کی آنکھیں
آنکھوں سے بھی گہری ہیں
اس کی نیندیں
نیندوں سے بھی گہری ہیں
اس کی سوچیں
سوچوں سے بھی گہری ہیں
اس کی باتیں
باتوں سے بھی گہری ہیں
اس کی یادیں
یادوں سے بھی گہری ہیں!

مجھے اِک خواب لکھنا ہے

مجھے اِک خواب لکھنا ہے
کہیں اسکول سے بھاگے
کسی بچے کی تختی پر
مجھے اِک چاند لکھنا ہے
سوادِ شام سے گہری
سیہ عورت کے ماتھے پر
مجھے اِک گیت لکھنا ہے
گھنے بانسوں کے جنگل میں
ہوا کے سرد ہونٹوں پر
مجھے اِک نام لکھنا ہے
پُرانی یادگاروں میں
کسی بے نام کتبے پر!

وال چاکنگ

رات کی دیوار پر
صبح تک لکھتے رہو
روشنی الفاظ کی!!!

ہوا موت سے ماورا ہے
(اپنے قاتل کے لیے ایک نظم)

اگر میرے سینے میں خنجر اُتارو
تو یہ سوچ لینا
ہوا کا کوئی جسم ہوتا نہیں ......

ہوا تو روانی ہے
عمروں کے کہنہ سمندر کی
لمبی کہانی ہے
آغاز جس کا نہ انجام جس کا

اگر میرے سینے میں خنجر اُتارو

تو یہ سوچ لینا
ہوا موت سے ماورا ہے
ہوا ماں کے ہاتھوں کی تھپکی
ہوا لوریوں کی صدا ہے
ہوا ننھے بچوں کے ہونٹوں سے نکلی دُعا ہے

اگر میرے سینے میں خنجر اُتارو
تو یہ سوچ لینا
ہوا کا کوئی جسم ہوتا نہیں......

گنبدوں کے درمیاں

خواہشیں دیوارِ گریہ پر خوشی کے گیت ہیں
راستے اچھے دنوں کے خواب ہیں
لیکن ہمیشہ منزلوں سے دُور رہتے ہیں
لکیریں دائروں میں قید ہیں
چلتے رہو!
ریگزاروں کے سفر کا انت پانی ہے

سرابوں کے تعاقب میں کبھی نکلو
تو آنکھوں کے سمندر ساتھ رکھنا!
کانچ خاموشی کے جنگل سے کبھی گزرو

تو آوازوں کے پتھر ساتھ رکھنا!
گنبدوں کے درمیاں رہتے ہوئے
دَر ساتھ رکھنا!!

نیند سے باہر گرا خواب

،ہماری نیند سے باہر
کہیں اِک خواب جلتا ہے
کہیں آنسو چمکتے ہیں
کہیں مہتاب جلتا ہے

ہماری نیند سے باہر
کہیں سورج نکلتا ہے
کہیں کالی کلوٹی رات پھرتی ہے
کہیں چھپ کر کوئی دیپک
پسِ محراب جلتا ہے

ہماری نیند سے باہر
کہیں اُجلے پرندے ہیں
کہیں خونی درندے ہیں
کہیں یادوں کا جنگل ہے
کہیں صحرا، کہیں جل ہے
کہیں برفاب جلتا ہے

ہماری نیند سے باہر
کہیں بادل برستے ہیں
کہیں نیناں ترستے ہیں
کہیں دل کے سمندر میں
کوئی بے آب جلتا ہے

ہماری نیند سے باہر
کہیں دو پھول کھلتے ہیں
کہیں ہم روز ملتے ہیں
کہیں سب زخم سلتے ہیں

ہماری نیند سے باہر
کہیں اک بام روشن ہے

کہیں اِک باب جلتا ہے
کہیں پنہاں، کہیں ظاہر
ہماری نیند سے باہر
کہیں اِک خواب جلتا ہے!

انہماکِ جاوِد

ہوائیں رقص کرتی ہیں روانی سے
سیہ بادل اُمنڈتے ہیں
اُفق کی نیلگوں معدوم ہوتی بے کرانی سے
سنہری دھوپ کی تختی پہ نیلی بارشوں کے گیت لکھتے ہیں
پرندے یاد رکھتے ہیں زمینوں کو نشانی سے
سمندر ساحلوں پر ختم ہوتے ہیں
جزیرے ڈوب جاتے ہیں کہیں آنکھوں کے پانی سے
سنو بچو!
کہانی ٹوٹ جاتی ہے ذرا سی بے دھیانی سے!!

ایک ساحلی دن

سمندر بے کرانی کا انوکھا سلسلہ ہے
آسماں بھی اپنے نیلے پن سے اکتایا ہوا ہے
پانیوں پر چلتے چلتے
نم ہوا کے پاؤں بھی شل ہو چکے ہیں
بادباں سونے لگے ہیں
ساحلوں پر
آفتابی غسل کرتی لڑکیاں بھی
لوٹ کر اپنے گھروں کو جا چکی ہیں
ریت پر پھیلے ہوئے ہیں
اُن کے قدموں کے نشاں،

جسموں کی ننگی باس،
مشروبات کے بے کارٹن
تصویر میں اوندھا پڑا ہے
زندگی کی شام میں بھیگا ہوا
اک دن!

سمندر رازداں میرا اگر ہوتا

سمندر رازداں میرا اگر ہوتا
تو سب سچائیاں اپنی اسے میں سونپ دیتا
اور لکھتا ساحلوں پر
سپیاں چنتی ہوئی
اُن لڑکیوں کی داستاں
جن کے سنہری جسم خوابوں کے جزیروں کی طرح تھے
مگر جن کے مقدر
ریت پر اُبھری لکیروں کی طرح تھے!

سمندر رازداں میرا اگر ہوتا

تو سب تنہائیاں اپنی اسے میں سونپ دیتا
اور چلتا تھام کر
انگلی ہوا کی
دُور جاتے راستوں پر
جن سے کوئی لوٹ کر آتا نہیں!

سمندر راز داں میرا اگر ہوتا
تو سب گہرائیاں اپنی اسے میں سونپ دیتا
اور اُترتا
پانیوں کی نیلگوں وسعت کے سینے میں
زمیں کشتی بنا کر
آسماں کو بادباں کرتا
سفر کا دُکھ بھرا لمحہ
تمہارے اور اپنے درمیاں کرتا

سمندر راز داں میرا اگر ہوتا......

Mir Zaheer abass Rustmani
03072128068

انیقہ کے لیے ایک نظم

تمھیں وراثت میں کیا ملے گا

مری انیقہ!

یہ چند نظمیں،

یہ چند غزلیں

تمہارے ابّو کے پاس ٹوٹے ہوئے

دلوں کی امانتیں ہیں

جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں

یہ اُن دنوں کی عنایتیں ہیں

عجب دکھوں کی حکایتیں ہیں

لہو سے لکھی عبارتیں ہیں

نئی رُتوں کی بشارتیں ہیں

کبھی جو تم پر
اُداس لمحوں کا جبر اُترے
تو تم یہ نظمیں ضرور پڑھنا
مجھے یقیں ہے
کہ تم پہ دُکھ اور سُکھ کا ہر فلسفہ کُھلے گا
بس ایک لمحہ......
تمہاری آنکھوں میں
آنسوؤں کے گلاب ہوں گے
تمہارے ہونٹوں پہ
مسکراہٹ کے خواب ہوں گے!

بارش

بارش آتی ہے اور......
سڑکیں، پیڑ، مکان، پرندے
جنگلے، لان، ورانڈے، ٹیرس
گملے، بیلیں، پھول، دریچے
لفظ، کتابیں، نظمیں، باتیں
خواب اور چہرے
دھوپ اور سائے
سب کچھ بھیگنے لگتا ہے
یادیں جل تھل ہو جاتی ہیں
عمریں پَل پَل ہو جاتی ہیں

نرجل آنکھیں
پانی سے بھر جاتی ہیں'
نرمل ہو جاتی ہیں

بارش رُکتی ہے اور
تیز ہوا چلنے لگتی ہے......

دُکھی لفظوں کی اِک نظم

کُھلے دریچوں کے پاس بیلوں پہ شام اُتری تو اُس نے سوچا:
کبھی دسمبر کی دھوپ جیسا وہ مہرباں جو کہیں نہیں ہے
ہوا کے ہونٹوں پہ گیت لکھتا تو بالکونی میں پھول کھلتے
جو لوگ آنکھوں کے خواب لے کر سمندروں میں اُتر گئے تھے
وہ جانتے تھے کہ ریگِ ساحل محبتوں کی امیں نہیں ہے
جو لوگ رستوں میں پھر نہ ملنے کا عہد کر کے بچھڑ گئے تھے
کسے خبر ہے کہ وہ ہواؤں کے گیت بن کر، تھکے پرندوں،
بکھرتے پتّوں کے میت بن کر اُداس راہوں میں گونجتے ہیں!

انھیں خیالوں میں گُم وہ کمرے سے آئی باہر تو اُس نے دیکھا:
ہوا کے جھونکے برآمدے میں ستون بن کر کھڑے تھے لیکن
دُکھوں کی بیلا نے اُن کے اُوپر عجیب لفظوں میں لکھ دیے تھے
گئی رُتوں کے سوالنامے جنھیں وہ پڑھ کر بہت ہی روئی!

جدائی راستوں اور موسموں کے ساتھ چلتی ہے

دھوپ میں لت پت تھکے دن
چاکلیٹی شام کی آغوش میں
گرتے ہوئے سسکارتے ہیں
خواب بچوں کی طرح معصوم ہوتے ہیں
ذراسی دیر آنکھوں میں اُچھلتے کودتے ہیں
اور چھل سے بھاگ جاتے ہیں
نشیبِ زیست میں کھوئے تھکن سے چُور جسموں کے
مساموں میں اُترتے ہیں
سلیپنگ پلز کھا کر
لوگ خوابوں کے جھِلنگے میں

سلیٹی نیند اوڑھے جاگتے ہیں

اجنبی، انجان چہرے
دُور سے دھندلے پہاڑوں کی طرح
بارُعب لگتے ہیں
مگر جب دل میں بستے ہیں
تو آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بالکل دوستوں جیسے
ہوا میں سرسراتے پانیوں جیسے!

جدائی راستوں اور موسموں کے ساتھ چلتی ہے
اُداسی آسمانوں کی طرح ہر سمت ہوتی ہے
رگوں میں دوڑنے لگتی ہے
آنکھوں میں اترتی ہے
دلوں میں پھیل جاتی ہے
ہوا کے کینوس پر درد کی تصویر بنتی ہے
بچھڑنا ہی مقدر ہو
تو آنکھوں میں اُمنڈتی بارشوں کو روک لیتے ہیں
سلگتی ریت کے بوسے
عجب تسکین دیتے ہیں

لبوں پر ذائقہ نمکین پانی کا ہمیشہ یاد رہتا ہے

پرندے آندھیوں کا پیش خیمہ بن کے اُڑتے ہیں
ہوا جب تیز چلتی ہے
تو خیموں کی طنابیں ٹوٹ جاتی ہیں
زمیں اپنے ہی محور سے لپٹ کر خوب روتی ہے
دلوں میں درد اتنے ہیں
کہ آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
جنھیں ہم یاد رکھتے ہیں
ہمیں وہ بھول جاتے ہیں سفر میں
زندگی کی ہر ڈگر میں......!

بچھڑے ہوؤں کے لیے ایک نظم

خواب سمندر میں کھو جاتے ہیں
اور آنکھیں صحراؤں میں
دُور سفر پر جانے والوں کی یادیں
دل کی الماری میں رکھی رہ جاتی ہیں
جب تنہائی آنکھوں میں
اور پتے صحنوں میں
آنکھ مچولی کھیلیں تو
دوپہریں کتنی چھوٹی ہو جاتی ہیں
بچھڑے ہوؤں سے کون کہے
سرما کی پہلی بارش میں
ریستورانوں کی رونق بڑھ جاتی ہے!

پھیلتے فاصلوں کی نظم

راستے میرے تعاقب میں ہیں
اور آنکھیں ہمیشہ کی طرح
پیچھے...... بہت ہی پیچھے
دروازے کی درزوں سے لگی ہیں

ماں کے چہرے پر لکیریں ہی لکیریں
اور میں بے لفظ نقطے کی طرح......
اپنے ہی مفہوم سے ناآشنا
بھوکی کتابوں کے شکم میں قید ہوں

کس طرح صحرا سمندر میں بدلتے ہیں

بچھڑتے وقت اپنوں کی نگاہوں میں
اگر کوئی ذرا سا
جھانک لے تو جان لے!

یاد ہے!
جاتے ہوئے تم نے کہا تھا
جب سفر کا خواب
ہاتھوں کی لکیروں سے نکل کر
پاؤں کی تقدیر ہو گا
اور دو آنکھیں ہمیشہ کی طرح
پیچھے...... بہت ہی پیچھے
دروازے کی درزوں سے لگی ہوں گی
وہی لمحہ ہمارے درمیاں
رابطے کی آخری زنجیر ہو گا!!

دسمبر اَب مت آنا!

دیکھ دسمبر،
اب مت آنا!
دیکھ دسمبر،
میرے اندر کتنے صحرا پھیل چکے ہیں
تنہائی کی ریت نے میرے
سارے دریا پاٹ دیے ہیں
اب مَیں ہوں
اور مِرے بنجر پن کی بوجھل تا ہے!

دیکھ دسمبر،

تیری برفاب شبوں میں
تیری بے خواب شبوں میں
خواب سوئیٹر کون بُنے گا!
روح کے اندر گرتی برفیں کون چُنے گا!

دیکھ دسمبر!
اپنے دُکھ کی برف پہن کر
دھوپ دیاروں تک مت جانا!
میرے پیاروں تک مت جانا!

دیکھ دسمبر!
اب مت آنا!
اب مت آنا!!

دسمبر کی آخری نظم

جب دسمبر کی ہاری ہوئی
آخری شام کی
زرد ٹھٹھری ہوئی سسکیاں
رات کی بے کراں، منجمد گود میں
چھپ کے سو جائیں گی
نیلگوں آسماں سے
نئی خواہشوں کے صحیفے لیے
جنوری کی سحر
مسکراتی ہوئی آئے گی
اور ماضی کی دیمک زدہ لاش پر

برف جم جائے گی
سوچتا ہوں کبھی زندگی
سالہا سال کی
گردشوں کا صلہ پائے گی......!

SNAPSHOT

ابھی اس پہاڑی کے پیچھے چھپی
رات اپنے ٹھکانوں سے نکلی نہیں ہے
ابھی تیرگی کا سمندر
اُفق کے کناروں سے اُچھلا نہیں ہے
ابھی ساعتوں کے سیہ ناگ
گھڑیوں کی سوئیوں سے لٹکے ہوئے
سرخ آنکھوں کی چنگاریوں سے ہمیں گھورتے ہیں
ابھی وقت کا بھیڑیا سانس روکے ہوئے
خون آلود ٹیلوں کے پیچھے کھڑا

زرد سورج کی اُدھڑی ہوئی لاش کا منتظر ہے

ابھی سبز و شاداب سایوں کے جھرمٹ میں سمٹی ہوئی
نیلگوں جھیل میں
تھرتھراتا ہوا سرد پانی
ہماری نگاہوں میں اُبھری ہوئی
اجنبیت کی لہروں سے واقف نہیں ہے

غنیمت ہے خاموش لمحوں کا ٹھہرا ہُوا کارواں
اور پانی کی ناآشنائی

سنو، اجنبی ہم سفر!
اس سے پہلے کہ گھڑیوں کی خاموش ٹِک ٹِک
دھماکے کی صورت
سماعت کے پردوں سے ٹکرا کے
بیمار سورج کے مرنے کا اعلان کر دے
چلو، ڈوبتی شام کے دُور جاتے ہوئے منظروں کی
لہو رنگ تصویر
احساس کی اندھی سکرین پر ثبت کر لیں
چلو، اس ملاقات کو

کیمرے کی نگاہوں میں محفوظ کرلیں
اور اپنی تمناؤں کی
خالی چھاگل کو معصوم خوشیوں سے بھرلیں!!

کتبہ

یہاں سے گزرتے ہوئے
احتراماً ذرا دیر ٹھہرا کرو
اے ہواؤ!
یہاں دفن ہیں خواب میرے

بے خوابی کی آکاس بیل پر کِھلی خواہش

مجھ کو سونے دو
صدیوں جیسی گہری لمبی نیند
جس میں کوئی خواب نہ ہو!

مجھ کو سونے دو
اُس لڑکی کی نیند
جو اَپنی آنکھیں
میری آنکھوں میں رکھ کر
بھول گئی ہے!

مجھ کو سونے دو
اُن لوگوں کی نیند
جن کی آنکھوں میں
بادل اور پرندے اُڑتے ہیں،
دریا بہتے ہیں
لیکن وہ پیاسے رہتے ہیں!

مجھ کو سونے دو
چاروں سمت بچھے صحراؤ!
میرے دل میں ایک سمندر ہے
مجھ کو اس میں اپنے
سارے خواب ڈبونے دو
مجھ کو رونے دو!
مجھ کو سونے دو!!

بے چہرہ پورٹریٹ

ایک دن جب'
راستے سارے سفر میں ختم ہوتے جارہے تھے
منزلوں کا دُور تک کوئی نشاں ملتا نہ تھا،
اُس نے کہا تھا آؤ! ہم مل کر
ہوا کے ہاتھ پر
اپنے مقدر کی لکیروں کو تلاشیں'
تو ازل سے ٹھہرے نیلے پانیوں پر
دائرے بننے لگے تھے

جب سمے کی زرد صحرا کوکھ سے

دُکھ کی پہلی کونپلوں نے سر اُبھارا
تو سمندر کے کنارے پر کھڑا وہ
بادبانی کشتیوں کو دیکھنے میں محو تھا اور
اس کی آنکھوں کے کناروں کی
سلگتی ریت گیلی ہو چکی تھی

ایک دن ایسا ہوا تھا
حبس کی دیوار کے اُس پار بیٹھا
وہ ہوا کا ذائقہ چکھتے ہوئے پکڑا گیا تھا
تب سے اب تک
لوگ اپنے اپنے چہروں کو
دُکھوں کی زرد بُکل میں چھپائے
اُس کے چہرے کی لکیریں جوڑتے ہیں!

منظر منظر معدوم ہوتی نظم

یہاں اب خواب ایسے ہیں
کہ جیسے دھوپ میں جھلسی ہوئی خوشبو
یہاں اب پھول ایسے ہیں
کہ جیسے گھاس پر ٹپکے ہوئے آنسو
یہاں اب زخم ایسے ہیں
کہ جیسے شام کے مہکے ہوئے جادو
یہاں اب دیپ ایسے ہیں
کہ جیسے رات سے بچھڑے ہوئے جگنو
یہاں اب لوگ ایسے ہیں
کہ جیسے تیر میں اٹکے ہوئے آہو

یہاں اب لفظ ایسے ہیں
کہ جیسے جسم سے کٹ کر گرے بازو
جنھیں ہم دفن کرنا بھول جاتے ہیں!

ممنوعہ وصیّت

پرانی اور ممنوعہ
کتابوں کے ذخیرے میں
مِرا متروک جیون ہے
جسے دیمک نے آدھا چاٹ ڈالا ہے
جو آدھا بچ گیا ہے
بانٹ دینا میرے بچوں میں......!

آموختہ

رات کی دیوار پر
چاک سے لکھ روشنی
شکل سورج کی بنا!

گیان بھری خاموشی میں اکلاپا کیوں روتا ہے

جب میری نیند بھری آنکھوں میں
سورج اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتا ہے،
میں ہنستا ہوں
اور خوابوں کی گٹھڑی میں باندھ کے دُکھ سارے
دل کی الماری میں رکھ دیتا ہوں

جب تاریکی اور خاموشی مل کر
میری کھڑکی پر دستک دیتی ہیں،
میں ہنستا ہوں
اور مرے ہونٹوں پر بیٹھی چڑیاں

اُڑ جاتی ہیں

جب چلّو بھر پانی کی خاطر
خالی اور منافق ہاتھ دعاؤں سے بھر جاتے ہیں،
میں ہنستا ہوں
اور مری ہنسی کی بارش میں
جھیلیں اپنی پیاس بجھاتی ہیں

لیکن میری گیان بھری خاموشی میں جب
وہ میرے ہونے کا اقرار نہیں کرتی،
میں ہنستا ہوں
اور ہنستے ہنستے رو پڑتا ہوں!

ایک بے ارادہ نظم

ریل کی سیٹی
ہوا کے پیٹ میں
سوراخ کرتی جا رہی ہے

الوداعی ہاتھ،
لہراتے ہوئے رومال،
وعدے،
لوٹ آنے کی دعائیں
اور لبوں پر
منجمد ہوتے ہوئے

بے ارادہ
پانیوں سے
آنکھ بھرتی جا رہی ہے
ریل کی سیٹی
ہوا کے پیٹ میں
سوراخ کرتی جا رہی ہے!

خاموشی کے جنگل میں اِک لایعنی بات

جب خاموشی کے جنگل میں
آوازیں کتوں کی طرح پیچھا کرتی ہیں
اور خارِشتی مریل تنہائی
شاموں کے اُتھلے تالابوں میں
خوابوں کے بچے جنتی ہے
تب سورج کی شاخوں پر
بیٹھے کوّے اُڑ جاتے ہیں!

آرکیالوجی

چلتے چلتے
رستے غاروں کے دہانوں پر رُک جاتے ہیں
کتبوں پہ لکھی تحریریں
اَن دیکھے ماضی کی گواہی دیتی ہیں
اُجڑے شہروں میں آوازیں دینے والے
پاگل ہوکر تنہائی میں
اپنے ہی جسموں کی دیواروں سے ٹکراتے ہیں
دُور کہیں ...... روحوں کے پامال نگر میں
گم گشتہ تہذیبوں کے اُس پار
چھنا چھن، چھن چھن ......
پازیبیں گونج اُٹھتی ہیں!

آخری کہانی

جب دیواروں کا سناٹا
اندر کی ساری باتوں کی پرچھائیں بن جائے
اور تنہائی دروازوں کی درزوں سے
باہر جھانکے'
تم کچھ مت لکھنا!

جب دُکھ کی بوجھل شام بنیروں سے اُترے'
دُور سے آنے والے رستوں پر
بانجھ مناظر آنکھ مچولی کھیلیں
اور طاقوں میں رکھی آنکھوں پر

خوابوں کی مٹی جم جائے'
تم کچھ مت لکھنا!

جب میرے تمہارے نام کے حرفوں کو
دیمک لگ جائے
اور لفظ عمروں کی بند کتابوں میں
دم گھٹ کر مر جائیں'
تم لکھنا!
ایک کہانی
جس میں کوئی لفظ نہ ہو!!

ابھی اِک خواب باقی ہے

ابھی جگنو نہیں رُوٹھے
ابھی آنسو نہیں ٹوٹے
ابھی سورج نہیں جاگا
ابھی تارے نہیں ڈوبے
ابھی مہتاب باقی ہے
ابھی اِک خواب باقی ہے

ابھی منزل نہیں آئی
ابھی رستہ نہیں ٹھہرا
ابھی جنگل نہیں گزرا

ابھی صحرا نہیں بھیگا
ابھی دریا نہیں اُترا
ابھی گرداب باقی ہے
ابھی اِک خواب باقی ہے

ابھی طوفاں نہیں ٹھہرا
ابھی آنکھوں میں جل تھل ہے
ابھی سینے میں ہلچل ہے
ابھی کھڑکی میں بارش ہے
ابھی کمرے میں بادل ہے
ابھی برفاب باقی ہے
ابھی اِک خواب باقی ہے

ابھی قصّہ اُدھورا ہے
ابھی پوری کہانی ہے
ابھی سارا بڑھاپا ہے
ابھی آدھی جوانی ہے
ابھی اُس پار جانا ہے
ابھی جھیلوں میں پانی ہے
ابھی رستے میں دلدل ہے

ابھی پایاب باقی ہے
ابھی اِک خواب باقی ہے
ابھی اِک خواب باقی ہے

پت جھڑ میں یادوں کا ساون

باہر...... پیلی سرد ہوا'
گرتے پتوں کا شور......
اندر...... سرخ عنابی بیل؛
خاموشی کا زور......
سبز دنوں کی یادوں سے
اے دل! ساون ساون کھیل!!

گردآلودہ راستے میں شام

رات کی دہلیز پر
زخمی پرندے کی طرح
سورج گرا......
آسماں کی انتہاؤں سے اُتر کر
جاگتی آنکھوں کی جھیلوں میں کہیں
نیلے خوابوں کی تھکن جمنے لگی
راستے سونے لگے
تھپکیاں دیتی ہوا تھمنے لگی......
دُور......منظر کے سِرے پر
ٹمٹماتی روشنی کا شائبہ سا

اجنبی تنہا مسافر
بے نشاں اندھی مسافت
درد کی اِک داستاں بننے لگی !

لفظوں کی انا

لفظ پرندے ہیں
ہونٹوں کی شاخوں پر
آ بیٹھیں تو
ایک ذرا سی جنبش سے
اُڑ جاتے ہیں
پھر لاکھ بلاؤ
تنہائی کے پنجرے میں
دانہ دانہ آنکھیں چُن دو
پتا پتا شاخیں بُن دو
ان کا واپس آنا مشکل ہے
ان کا بھی تو آخر دل ہے!

شام

جب سورج اپنا سَر
عین پہاڑی کے سینے پر
رکھ دیتا ہے
تو دن کے پختہ ٹیرس پر
وہ بال سُکھانے آتی ہے!

زمانے کی آنکھیں غلط کہہ رہی ہیں

زمانے کی آنکھیں غلط کہہ رہی ہیں
تمہارے بدن میں، لہو میں، نظر میں
ستاروں سے تابندہ ماتھے کے نورِ سحر میں
کسی شب کی آلودگی کا نشاں تک نہیں ہے

کہ دُور آسمانوں پہ ایتھر (Ether)
تمہارے تقدس کی پہلی علامت ہے
نیلی فضاؤں میں اُڑتے سنہری پرندے
تمہارے سفر کی صداقت کا زندہ نشاں ہیں

بنفشے کے پھولوں سے پوچھو
تو وہ بھی کہیں گے
تمہارے بدن پر سجے کاسنی پیرہن میں
فرشتوں کے اُجلے پروں کی مہک ہے

تمہارا بدن تو
دسمبر کے سورج کی پہلی کرن کی
حرارت سے لبریز چھاگل ہے، جس میں
دھنک رنگ جذبوں کے
لاکھوں طبق دار شیشے سجے ہیں

ہوائیں تمہیں چُھو کے
موسم کے جلتے لبوں کو
نواؤں کے سچّے صحیفے عطا کر کے
ربّ سے دعا مانگتی ہیں
سمندر کا سینہ اُبلتا ہے
بادل تمہارے تخیل کی چوٹی کو چُھونے کی خاطر
پہاڑوں سے ٹکرا کے بارش بناتے ہیں
بنجر زمینوں کو سرسبز فصلوں کا ملبوس مِلتا ہے
دلدل بنے جوہڑوں سے غلاظت نکلتی ہے

شفاف پانی سے
جھیلوں کے دل میں کنول پھول کھلتے ہیں......

لیکن......زمانہ تمہیں
منجمد، مصلحت کوش، خودسر، ستم گار
کہتا ہے، کہتا رہے گا......
مگر تم تو ایسی نہیں ہو
مِری سچی پاکیزہ سوچو!!

کاسنی پھولو کہو!

کاسنی پھولو کہو!
تم نے اُس کو
کون سے موسم کی خوشبو میں
ہواؤں کی فصیلوں پر
لکھا تھا ''آشنا''
وہ تو صدیوں پر محیط
اِک اجنبی سا گیت ہے
وقت اُس کا نام ہے
رفتار اُس کی رِیت ہے!

میں آنکھوں میں چہرے رکھ لیتا ہوں

جب خوابوں کا قحط پڑے
اور نیندیں دن اور رات کی سرحد پر
ملنے سے اِنکاری ہوں،
میں آنکھوں میں چہرے رکھ لیتا ہوں!

چہرے، جن کو میں نے عین فراق سمے
اشکوں میں ڈھلتے دیکھا تھا
زیرِ آب پگھلتے دیکھا تھا
چہرے، جن پر حدِ نظر تک دھوپ کھِلی تھی
چہرے، جن پر شام سے پہلے شام ہوئی تھی

چہرے، جن پر خاموشی بُکل مارے بیٹھی تھی
چہرے، جن پر تنہائی نے آٹو گراف دیے تھے
چہرے، جن پر موسم آنکھ مچولی کھیل رہے تھے
چہرے، جو بارش میں بھیگے کاغذ جیسے تھے
چہرے، جن پر نظمیں، غزلیں، گیت لکھے تھے

جب خوابوں کا قحط پڑے
اور نیندیں دن اور رات کی سرحد پر
ملنے سے اِنکاری ہوں،
میں آنکھوں میں چہرے رکھ لیتا ہوں!

بچھڑنے سے پہلے

نومبر کی پیلاہٹیں تو ہمیشہ دُکھوں سے عبارت رہی ہیں
درختوں کی شاخوں سے گرتے ہوئے
زرد پتّے صدا دے رہے ہیں...... سنو تو
اُداسی کا ملبوس پہنے تشخص سے عاری
یہ ہارے ہوئے لوگ سارے
انھیں بھاگتی ساعتوں کا کرشمہ ہیں جن میں
ابھی چند لمحوں کی کچی شناسائی کے بعد ہم بھی
صدا بن کے بہہ جائیں گے......
مگر کون سنتا ہے ان کو ٹریفک کے اس شور میں
آوَ! دُکھ کس لیے

ہم بھی اپنی صداؤں کے زخمی لبوں پر
کوئی خوابِ رنگین بُن کر
دُکھی رُت کی پھیکی فضا میں گلابوں کی مہکار بھر دیں
ذرا دیر ہنس لیں
اور اپنی وفاؤں کے اُجڑے مکانوں پہ
ناآشنائی کی تختی لگانے سے پہلے
چلو، اجنبیت سے بھرپور
ان دھوپ چہروں کے جھرمٹ سے نکلیں
خلوص و مروّت کے سچے تعلق سے سرشار
لمحوں کی شاداب چھاؤں میں بیٹھیں
اکیلے جو گزریں گی اُن زرد شاموں کے نوحے
رفاقت کے سرسبز جذبوں کی اُجلی زمینوں پہ لکھ لیں
گئے گزرے لمحوں کی تلخی کے مدفون پیکر کو
باتوں کے نشتر سے چھلنی کریں
اور آنکھوں کی تاریک قبروں میں
دم توڑتے آنسوؤں کو مرے دوست!
پلکوں کی تپتی دہکتی سلاخوں کے اندر پرو لیں
اذیّت کی بے نام کیفیتیں رُوح کی سرد گہرائیوں میں سمو لیں
گلے لگ کے جی بھر کے رو لیں
کہ جیون کے لمبے سفر میں

یہ آنسو امانت ہیں بے لوث رشتوں کی،
دشوار اور مشترک منزلوں کی
بچھڑنے سے پہلے
چلو اپنی مصلوب خوشیوں کے مُردہ بدن کو
کسی طور یادوں کی برفاب گھاٹی میں محفوظ کر لیں
کہ لاشیں شہادت رہیں
آنے والی رُتوں میں شگوفے کھِلیں جب......!
ہم اِک دوسرے سے اچانک ملیں جب......!

برسوں بعد ایک ملاقات

سچ کہتی ہو!
تب میری آنکھوں میں
خوابوں کی ہریالی تھی
اب صحراؤں کی ریت......!!

لڑکپن کتنا اچھا تھا!

ترِی نیندوں کے جنگل میں
مرِے خوابوں کا رستہ تھا
ترِا چہرہ کتابی تھا
مرِے ہاتھوں میں بستہ تھا

خالی پن میں مشورہ

آنکھیں جب
خوابوں سے خالی ہوں،
تم لکھنا
میرا نام ہتھیلی پر
اور مٹا دینا......!

دُکھ کا کوئی نام نہیں ہوتا!

دُکھ کا کوئی نام نہیں ہوتا
دُکھ تو بس دُکھ ہے
دل سے آنکھوں تک دُکھ ہی دُکھ!
ایک ذرا سی جنبش سے
بعض اوقات تو آنکھیں بہنے لگتی ہیں،
دل رونے لگتا ہے
دکھ ہر موسم کا پنچھی ہے
اِک بار جہاں، جس عہد میں بسنے لگتا ہے
جانے کا وہاں سے پھر نام نہیں لیتا
آنکھیں تھک جاتی ہیں

دل گھبرا جاتا ہے
دُکھ کے کہرے میں
عمریں چل سکتی ہیں دیکھ نہیں سکتیں!

سمندر اوک میں بھر لو!

مسافر! کن زمانوں کی طراوت کھوجنے نکلے ہو
کن بے آب بنجر سرزمینوں سے
خنک چشموں کے سپنے لے کے آئے ہو
تعجب ہے!
نمی آنکھوں میں، دل میں خواب رکھتے ہو
محبت کے سفر میں
خواہشِ پایاب رکھتے ہو
کنارے پر کھڑے اب دیکھتے کیا ہو
سمندر سامنے ہے، اوک میں بھر لو
پھر اس کے بعد عمروں کی مسافت ہے
سفر کا ایک دشتِ بے نہایت ہے
محبت انت ہے آبی ذخیروں کا!!

سمندر تھک گیا ہے

سفر رُکنے لگا ہے
بادبانی خواہشیں تھم سی گئی ہیں
ساحلوں پر
نیند کا آبی پرندہ پھڑپھڑاتا ہے
سمندر تھک گیا ہے
ڈال دو لنگر مسافر،
خواب کی اُجلی زمینوں سے
کوئی مجھ کو بلاتا ہے!

ایک طویل کہانی کا کلائمیکس

اُس نے مجھ کو
مٹّی کی دیواروں پر
کچے رنگوں سے لکھ کر
بارش کی دُعا کی تھی!

جن کے سَروں پر سورج ہاتھ نہیں رکھتا

جیون کی ناچاقی میں
تیزابی رشتے
خوشیوں کا منہ کالا کر دیتے ہیں
جن کے سروں پر
سورج ہاتھ نہیں رکھتا
خواب اُنھیں بچپن ہی میں
بوڑھا کر دیتے ہیں!!

انتباہ

نیلی دُھند سے
آنکھیں مت پھوڑو!
دیکھنے والوں کو
منظر اندھا کر دیتے ہیں!!

صدائے بے صدا

خواب گاہوں سے نکل کر
کون سنتا
کوچہ و بازار میں
دن بھر
منادی دھوپ کی
اِس بے سماعت شہر میں!

ایک غیر یقینی صورتِ حال پر رواں تبصرہ

گلیوں میں پاگل سناٹا
آوازوں کے پتھر پھینک رہا ہے
آنگن آنگن
مریل خاموشی کھانس رہی ہے
تاریکی
اندھی کالی رات کے دل میں
خوابوں کی جھلمل جھلمل میں
چوروں کی طرح جھانک رہی ہے
ساری بستی کو
گہری لمبی نیند کے غش میں

ہانک رہی ہے
ایک اِک کر کے سارے جگنو
پھانک رہی ہے
اور مَیں
اِس منظر کے پس منظر میں
سپنا سپنا جاگ رہا ہوں
سورج کے پیچھے
بھاگ رہا ہوں......!

گمشدہ نسلوں کی لوری

ذائقوں کے سارے دریا خشک ہیں
ہانڈیوں میں ریت اُبلتی ہے
سُنا ہے، بستیوں میں
ہجرتوں کا جبر اُترا ہے
پرندے گھونسلوں کو چھوڑ کر جانے لگے ہیں

فیصلے تو آسمانوں سے اُترتے ہیں
کتابوں میں، نصابوں میں لکھا ہے
دل کی باتیں باعثِ تعزیر ہیں ......
اور ماں کا دُودھ پینا جرم ہے
کرفیو لگنے سے پہلے

پُوسی لینے گیا تھا وہ
مگر لوٹا نہیں......!

سو رہو بچو!
ہوائیں بادبانوں کو سناتی ہیں
کہانی پانیوں پر جو لکھی تھی
ڈوبنے والے جہازوں' آبدوزوں کے جوانوں نے......
بچھڑتے وقت آنکھوں کے سمندر خشک تھے
یا سفر کی ریت نے
سارے مساموں پر لکھا تھا
چُپ رہو......!

نیند میں جاگے ہوئے
عمریں گزرتی جارہی ہیں
ایک پَل ٹھہرا ہوا' کٹتا نہیں
سورج سوا نیزے پہ آ کر لوٹ جاتا ہے
صدائیں دو انھیں
جو صورِ اسرافیل سُن کر
سب سے اگلے مورچوں میں سو گئے تھے
اُن کے بچّے جاگتے ہیں......!

ہمیں معلوم تھا

خواہشوں اور چاہتوں کے درمیاں اک رات تھی اور
رات بھی ایسی کہ جس میں روشنی مفقود تھی
سو، ہم نے اپنے اپنے خوابوں کو
پرندوں کے پروں میں اور پھولوں کی نگاہوں میں سجا کر
وقت کی قربان گاہوں میں امانت رکھ دیا تھا
تا کہ آنے والے کل کو یاد ہو
خواہشوں اور چاہتوں کے درمیاں اک بات تھی اور
بات بھی ایسی کہ جس کے پار اک مفہوم تھا
خود سے خود تک کائناتی فاصلوں کے اس سفر میں
کون بچھڑے گا ہمیں معلوم تھا!

نشانِ اعزاز

عمروں کے خالی پن میں
ڈھلتی دھوپ کے آنگن میں
تمغے اور شکستیں لے کر
جنگ میں مرنے والوں کی
مائیں زندہ رہتی ہیں!

ایک ضبط شدہ پوسٹر

خواب ...... ہماری گلیوں کے گندے پانی پر
مچھر مار دوائیں ہیں
باورچی خانوں میں
آٹے، گھی اور تیل کے خالی ڈبّے
آنے والی نسلوں کی آنکھیں ہیں
بھوک ...... ہمارے آنگن کی رقاصہ ہے
پیاس ...... ہمارا تاریخی ورثہ ہے
تحریریں پڑھنے والو!
لفظ ...... نصابوں کے قیدی ہیں
تعبیریں ڈھونڈنے والو!
ہم سب اَن دیکھے خوابوں کے قیدی ہیں!!

شاعر

ایک اپاہج، آوارہ
لفظوں کی بیساکھیاں تھامے
کاغذ کی سڑکوں پر
دوڑ رہا ہے!

دُھند کے پار

بام و در کے اُس طرف ہے
درشنی مہتاب چہروں،
جھیل آنکھوں کی چمک
اور اِس طرف
بو سے سلگتی ریت کے ہیں
درمیاں
بیلیں انگوروں کی،
قطاریں پام کی،
اُونچی کھجوریں،
سرخ محرابی فصلیں جبر کی

خواجہ سرائی قید میں
جتنے کنواری عورتوں کے......

دُور انجانے انوکھے راستوں پر
اجنبی گھوڑوں کی ٹاپیں
ہنہناہٹ
ادھ جلے خیموں کے اندر
بے صدا چیخیں
کنیزیں، مورچھل
نوعمر شہزادہ
پیادے
دست بستہ لشکری، سالار
قیدی......

شہر بھر میں
فائرنگ، زخمی، دھماکے، سائرن
شعلے
دُھوئیں کے آبنوسی دائرے
جلتے تناظر
آگ میں لپٹی ہوئی تابیں

لائبریری کی عمارت
میوزیم
تصویر کی آنکھوں میں آنسو
سلسلہ در سلسلہ سہمی ہوئی
اطراف میں
اعضاء بریدہ زندگی،
سرگشتگی افکار کی، غارت گری الفاظ کی
تازہ لہو تاریخ کے اوراق پر......

خواب آشوب

خوابوں والے سب دروازے
بند پڑے ہیں
تعبیریں دہلیزوں پر
اونگھ رہی ہیں
اور آنکھوں میں
سرکنڈوں کے
جنگل اُگ آئے ہیں!

آگ سے مکالمہ

مجھے سفر پر روانہ ہونے کی دو اِجازت!
کہ میں نے بارود کے دھوئیں میں
سلگتی آنکھوں سے
آنسوؤں کا رقیق چشمہ اُبلتے دیکھا ہے
آسماں کو پگھلتے دیکھا ہے
سرحدوں خاردار تاروں کے جال، تاریکیوں کے اژدر
ہر ایک روشن بدن کو ڈسنے لگے ہیں
مٹی لہو میں تر ہے
عجیب دہشت زدہ نگر ہے
پرند زخمی ہیں

فاختائیں بریدہ پر ہیں!!

مجھے سفر پر روانہ ہونے کی دو اِجازت!
کہ میں نے تڑ تڑ مشین گنوں کی گولیوں میں
سکول جاتے شریر بچوں کی ٹولیوں کو
بکھرتے دیکھا ہے
خواب زادوں کو ماں کے ہاتھوں میں مرتے دیکھا ہے'
ڈرتے دیکھا ہے
موت کو زندگی سے'
آنکھوں کو روشنی سے!!

مجھے سفر پر روانہ ہونے کی دو اِجازت!
کہ شاخِ زیتون جل رہی ہے
زمیں چناروں کے سرخ پتوں سے بھر گئی ہے!!

بے چہرہ خواب

اور پھر
سورج
مغرب سے نکلا
مشرق میں ڈوبا
اور مَیں
جنگل رستوں میں
اِک جلتے بجھتے جگنو کی
خواہش میں بےکل
صدیوں تک
یا شاید اِک پَل

جاگا
بھاگا
کالی رات کی مٹھی میں
پیلے چاند کی لَو تھی
یا مَیں تھا؟
مصلوب سویروں کے دُکھ میں
پاگل
وہ تھی یا مَیں تھا؟
کچھ یاد نہیں......!

اِک بے لفظ کہانی کی چند سطریں

مِری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
اُس نے کہا تھا
''خواب دیکھو!''
اجنبی لڑکی کی آنکھوں میں کوئی چہرہ نہیں ہوتا
مجھے معلوم تھا لیکن
کسی خواہش کے نیلے پانیوں میں
عکس بنتے دیکھ کر
میں نے دعا کی تھی
گلابی موسموں کے بادباں کُھلنے سے پہلے
آندھیوں کو موت آ جائے!

سفر کا خواب
رستوں کی سلگتی ریت پر بکھرا
تو چہروں پر
شناسائی کے جنگل اُگ چکے تھے
سو، ہمیں اب ساتھ چلنا تھا
زمیں کے چاک ہونے تک......!
بدن کے خاک ہونے تک......!

مگر، پھر ایک دن یکبارگی اُس نے کہا تھا
''دو مخالف راستے اپنے تعاقب میں ہیں
دیکھو! منزلوں کا دُور تک
کوئی نشاں ملتا نہیں ہے
ہمسفر بہتر یہی ہے
قربتوں اور دُوریوں کے
درمیانی مرحلوں میں
اجنبیت کی ردائیں اوڑھ کر
آؤ بچھڑ جائیں ہمیشہ کے لیے......!''

اب سوچتا ہوں مَیں
ہوا کے ہاتھ پر سُکھ کی لکیریں کس نے دیکھی ہیں!

یہ کیا کم ہے
کہ ہم نے اپنے خوابوں کو
دھنک کے حاشیے دے کر
اُفق کے اِک سرے سے دوسرے تک
لکھ دیا ہے
تاکہ بھیگے موسموں کی دُکھ بھری تنہائیوں میں
روح کے اندر برستے بادلوں پر
دھوپ سُکھ کے زائچے لکھتی رہے......!

محبت کے عجب غم ہیں

وہی تم ہو، وہی ہم ہیں
زمانوں، لازمانوں میں مگر اک پَل
جو گنتی میں نہیں آتا
وہی تقدیر کا ہندسہ ٹھہرتا ہے
وہی الفاظ ہونٹوں پر نہیں آتے
جنھیں سُن کر
خدا بھی کائناتوں کی طنابیں کھینچ لیتا ہے
وہی تم ہو، وہی ہم ہیں
مگر عمروں کے عرصے میں
وہی لمحہ نہیں آتا
جسے جینے کی خواہش میں
ہزاروں روشنی کے سال بھی کم ہیں!

تلاشِ رائگاں

سمندر کی جانب سے آتی ہواؤ!
کسے ڈھونڈتی ہو؟
کسے ڈھونڈتی ہو؟

یہ سچ ہے
اُسے پانیوں سے محبت تھی
آنکھوں میں اُس کی سمندر تھے
سینے میں دریا رواں تھے
اُسے بادلوں نے لکھا آسماں پر
برستی رہی وہ مری ذات کے سائباں پر

خیالوں کے سارے جزیروں میں،
خوابوں کے سب ڈیلٹاؤں میں وہ تھی
ہواؤں میں وہ تھی
گھٹاؤں میں وہ تھی

مگر یوں ہُوا تھا
اُسے پانیوں سے محبت تھی
وہ قلزموں کی طلب گار تھی
اور میں تو......
فقط ریت ہی ریت تھا
خشک سالی کی دھوپوں میں
جھلسا ہوا کھیت تھا

سمندر کی جانب سے آتی ہواؤ!
اُسے بھول جاؤ!!
اُسے بھول جاؤ!!

ہمارے خواب کی راہوں میں نیندیں گھومتی ہیں

کوئی ایسا بھی ہوتا
جو ہماری نیند میں آ کر
ہمارے ہاتھ میں تعبیر کی اُنگلی تھما دیتا
ہمیں کہتا:
چلو ہم ساتھ مل کر
رات کے جنگل سے گزریں
چاند کو ڈھونڈیں
وہ تنہا نیند کے عالم میں چلتا ہے
اُسے دلدل میں گرنے سے بچانا ہے
کسی روٹھے ہوئے بچے کو گھر واپس تو لانا ہے!

ناسٹلجیا

سفر کے خواب میں
آنکھیں کہیں پیچھے ہی رہ جاتی ہیں
چہرے ساتھ چلتے ہیں!

فریم میں قید منظر

بند دروازے،
دریچے نیم وا
لڑکھڑاتی ڈولتی اندھی ہوا
دائرہ در دائرہ مڑتی سڑک
گہرے تجسّس کی دھنک
تا کراں
آنکھوں میں نیلی دستکوں کی کہکشاں
رنگوں کی بارش میں سلگتے، بھیگتے چوبی مکاں
گہرے سلیٹی بادلوں کے سائباں
لپٹے ہوئے سے فاصلوں کے بادباں

پیش منظر

مَیں ...... مرے قدموں تلے دلدل زمیں

سر پہ پتھر آسماں

اور پس منظر میں پھیلی

سُرمئی تنہائیاں!!

ایک پہاڑی یاد

کبھی ساتھ چلتے ہوئے ہم نے سوچا تھا:
''رستے کہاں ختم ہوتے ہیں
اونچے پہاڑوں کے اُس پار بھی تو
کوئی گاؤں ہوگا، کوئی جھیل ہوگی
یہاں سے مگر وہ کئی میل ہوگی!''

کبھی ساتھ چلتے ہوئے ہم نے چاہا تھا:
''اونچے پہاڑوں کے اُس پار جائیں
لکیروں کی مانند پتلی، عمودی سی
بل کھاتی پگڈنڈیوں سے

گزرتے ہوئے خوف کھائیں
اچانک اُمنڈتی ہوئی بارشوں میں
ذرا دیر بھیگیں
کسی چوبی ہٹ میں رُکیں، گیلے کپڑے سُکھائیں
کسی ڈاک بنگلے میں ٹھہریں......!"

کبھی ساتھ چلتے ہوئے ہم نے دیکھا تھا:
سیر و سیاحت میں مصروف
لوگوں کے چہروں پہ لکھی جدائی
سفر دار صدیوں کی، عمروں کی انمٹ مسافت
ہمارے بھی قدموں سے لپٹی ہوئی تھی
ہمارے بھی ہاتھوں پہ رستوں کا اِک جال پھیلا ہوا تھا
کبھی ساتھ چلتے ہوئے......

کون جانے!

ہم ملے تھے
خواب کی دہلیز پر
یا کسی بے خواب لمحے کی
اذیّت ناک خاموشی کے کوریڈور میں......
یاد کے فانوس روشن ہوں
تو کچھ معلوم ہو
تاریکیوں میں سارے منظر ایک ہوتے ہیں
لکیریں، لفظ، نقطے
اپنے اپنے معنوی پاتال سے نکلیں
تو شاید بانجھ تحریروں کی صحرا کوکھ میں

مفہوم کے جنگل اُگیں
آسماں کی سوکھتی نیلاہٹوں کے طشت میں
بادل اُگیں!

کس سے پوچھیں
ذات کے غارِ حرا میں
رائگاں ہوتی عبادت
کون سے کھاتے میں لکھی جائے گی؟
کِرم خوردہ عہد ناموں کی عبارت کون سمجھے؟
کون جانے ہم نے کیسے
کائناتی فاصلوں کے درمیاں
اِس عمر کی وصلت بھری نایاب ساعت کو
ہمیشہ کے لیے ہجرا دیا تھا
کون جانے
ہم ملے تھے یا نہیں......!

کلاس فیلو

کئی سال پہلے
مجھے آخری بار ملنے کی خاطر
جو کالج کے زینے پہ تنہا کھڑی تھی
اچانک وہ لڑکی کل اِک کیفے میں مل گئی تھی
وہی تھی مگر
سبز آنکھوں میں سوچوں کی سرسوں کھلی تھی
رسیلے لبوں پر
نقاہت کے بوسوں کی بنجر خموشی تنی تھی
سنہری درخشندہ بالوں میں
چاندی کے تاروں کی صورت سپیدی اُگی تھی

لہو سے بھی گرم اور گہرے بدن پر
پُر اسرار سی زرد ٹھنڈک جمی تھی
تھکے، مضمحل چہرے کی اجنبی سلوٹوں میں
شناسائی کی کشمکش دائرے بُن رہی تھی
مجھے دیکھ کر وہ
خموشی کے لہجے میں چیخ اور چلاّ رہی تھی!

آخری رقص

سنو!
آفتابی بدن تیاگ کر،
لمحہ لمحہ تھرکتی ہوئی داسیو!!
سبز چھتنار پیڑوں پہ جب زرد کرنیں
حسیں دھوپ کی موت کا
آخری رقص کرنے لگیں گی
تو وحشی اندھیرے
گھنے جنگلوں سے نکل کر
تقدس کے نیزوں سے
جذبوں، عقیدوں کی کچی فصیلیں گرا کر

تمہارے تھکے، نیم مردہ سے
جسموں کا صندل جلا کر
کسی دیوتا کے حرم کو
معطّر کریں گے، منور کریں گے
مقدس لہو سے گناہوں کا آغاز ہوگا......!

مُردہ خوابوں کے میوزیم میں

وہ آنکھیں
جو عمروں کے صدراہے پہ ٹریفک کا سگنل تھیں
جو اپنی بینائی کے محدّب عدسوں سے چھن کر
اِک نقطے میں سورج رکھ دیتی تھیں
جن کی شعاعیں
جسموں کے منشوروں سے گزریں تو
ست رنگی روشنیوں کی قوسیں بن جاتی تھیں

وہ آنکھیں
خوابوں کی پاتال میں گر کر

سایہ سایہ روشنیوں کے جال میں گر کر
عمروں کی سیّال سیاہی کا مقسوم ہوئیں
بے معنی لفظوں کی بہتی رال بنیں
اور کاغذ کے کورے جثے پر مرقوم ہوئیں
منظوم ہوئیں

اب مَیں اندھا
اَن دیکھی تصویروں، اَن ہونی تعبیروں کی
وائٹ سٹک☆ تھامے
مُردہ خوابوں کے میوزیم میں
اپنی آنکھیں ڈھونڈ رہا ہوں!

☆ سفید چھڑی

ایک نیم مُردہ نظم

مدتیں ہو گئیں
دُکھ کے ہینگر پہ لٹکی ہوئی
بے بدن روح
تجسیم کی منتظر
سُکھ کے روشن اثاثوں کی
تقسیم کی منتظر
زندگی کے سیہ عہد نامے میں
ترمیم کی منتظر
موت کب آئے گی؟
موت کب آئے گی؟
ان سوالوں میں کھوئی ہوئی
''ج'' کی منتظر!

خواب میں ہمیشہ بے بسی ہی کیوں ہوتی ہے!

بھاگنا چاہیں تو
بھاگ نہیں سکتے
چیخنا چاہیں تو
چیخ نہیں سکتے

رات کے شہر میں

رات کے شہر میں
کھیل ہی کھیل میں
کھو گئے ہم کہیں
وقت کی لہر میں

رات کے شہر میں
آگ ایسی لگی
خواب تک جل گئے
نیند کے قہر میں

رات کے شہر میں

اِک مسافر لُٹا
روشنی کھو گئی
راستہ گُم ہوا
ایک کھڑکی کھلی
کوئی در وا ہوا
شب زدہ جسم سے
چاندنی کی طرف
کوئی سایہ گیا
ٹوٹ کر شاخ سے
ایک پتّا گرا
بے صدا نہر میں

رات کے شہر میں
دُور سیٹی بجی
کالے انجن کے سنگ
ریل گاڑی چلی
ایک آنسو گرا
آخری پہر میں
رات کے شہر میں

مجھے صدا کے دائرے نہ دو!

میں اپنی خواہشوں کے سارے پوسٹر
بدن کے شہرِ نارسا کی
ہر گلی میں بانٹ کر
اُداس، خالی ہاتھ
سرکٹی صداقتوں کی بھیڑ میں
محبتوں کے پُل صراط پر
بریدہ پا
کبھی نہ ختم ہونے والے راستوں پہ نوحہ گر
مجھے نئے سفر کی بے کراں ضخامتوں پہ مشتمل
کتابچے نہ دو!

میں اپنے سارے خواب دفن کر چکا
بدن کے دشت سے نکل کے رُوح کی اتھاہ جھیل میں
اُتر چکا، بکھر چکا
مجھے صدا کے دائرے نہ دو
جو منجمد ہوئے لبوں کی بیضوی چٹان پر
وہ حرف ذائقے نہ دو
تمازتوں کے برف آئنے نہ دو
رفاقتوں کے نام پر
مجھے مزید فاصلے نہ دو
زمیں کے خرد چاک پر گھما کے
کائنات کے عظیم سلسلے نہ دو!

سیّاح

سارى دُنیا میں گھومنے والا
اپنے اندر سفر نہ کر پایا......!

ہم دونوں کے بیچ

دو چہروں کے بیچ
عکس نہیں ہوتا
دو لمحوں کے بیچ
وقت نہیں ہوتا
ہم دونوں کے بیچ
خدا کیوں ہوتا ہے؟

سوچتا ہوں اک نظم لکھوں

سوچتا ہوں اک نظم لکھوں
اُن کی خاطر
جو بولتے رہنے کی خواہش میں خاموش ہوئے تھے
اور تعظیم کروں ان لفظوں کی
جو بن لکھے اور پڑھے معتوب ہوئے تھے،
مصلوب ہوئے تھے
اور ترمیم کروں
اُن رشتوں میں
جن کا ناتا خوابوں اور گلابوں سے تھا
حرفوں اور کتابوں سے تھا!

سوچتا ہوں اک نظم لکھوں
اُن کی خاطر
جو کچی عمروں میں ہجرت پر مجبور ہوئے تھے
سب جہتوں کی جانب
کوئی مقدس آیت پڑھ کر پھونکوں
اور تکریم کروں ان رستوں کی
جو بے سمتی کی دلدل پر ختم ہوئے تھے!

سوچتا ہوں اک نظم لکھوں
اُن کی خاطر
جو اپنی آنکھیں طاقوں میں رکھ کر بھول گئے تھے
اور تجسیم کروں ان خوابوں کی
جو ہم سے پہلے جانے والے
پانی اور ہوا کو سونپ گئے تھے!

سوچتا ہوں اک نظم لکھوں
اور......

نصیر احمد ناصر کی دیگر کتابیں

عراچی سو گیا ہے	نظمیں
ملبے سے ملی چیزیں	نظمیں
تیسرے قدم کا خمیازہ	نظمیں
زرد پتوں کی شال	ہائیکو
ظرفاب	غزلیں
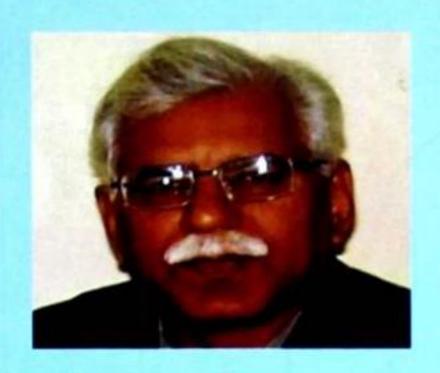
نصیر احمد ناصر جدید اردو نظم کے انتہائی معتبر، صاحبِ اسلوب، رجحان ساز اور بین الاقوامی پہچان اور اہمیت کے حامل شاعر ہیں، جن کی نظمیں انگریزی، روسی، ہسپانوی، ازبک، رومانین، فارسی، ہندی اور دیگر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ کم و بیش چار دہائیوں پر محیط نصیر احمد ناصر کی ادبی زندگی کسی بھی قسم کی منفی ادبی سماجیات، ستائشی تقریبات اور رونمائیوں سے بے نیاز حقیقی معنوں میں تخلیقی سچائی کی آئینہ دار ہے۔ نصیر احمد ناصر کی نظموں میں نہ صرف روحِ عصرِ رواں ہے بلکہ ان میں کئی صدیاں سانس لیتی ہیں۔

نصیر احمد ناصر اپریل 1954ء میں ضلع گجرات کے ایک دُور افتادہ گاؤں ناگڑیاں میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ زندگی کا طویل عرصہ کھاریاں میں گزارا اور گورنمنٹ ہائی اسکول کھاریاں اور سی۔ بی ڈگری کالج کھاریاں کینٹ میں زیرِ تعلیم رہے۔ کچھ عرصہ ملک سے باہر اور میرپور آزاد کشمیر میں بھی رہے۔ اب مستقل طور پر راولپنڈی میں رہائش پذیر ہیں۔

Book Street, 46/2 Mozang Road, Lahore, Pakistan.
Phone: +92 42 37355323. Fax: +92 04 37323950
e-mail: sanjhpk@yahoo.com, sanjhpks@gmail.com
Web: www.sanjhpublications.com